پاکستان کو درپیش خشک سالی کے مسائل، سیلاب کے اسباب اور ان کا حل

حافظ عمر فاروق جعفر

پانی اس وقت ایک ایسا گھمبیر مسئلہ ہے کہ جس پر دنیا کے تزویراتی ماہرین متفق ہیں کہ شاید دنیا کی تیسری جنگِ عظیم اس مسئلے پر ہوسکتی ہے۔لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ پانی ہی اس قدر اہمیت کا حامل ہے اس کے لیے دو سے تین نکات کا پسِ منظر جاننا از بس ضروری ہے۔ پہلا یہ کہ یونیسیف کی حالیہ رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کی دو تہائی آبادی صاف پانی کی شدید ترین قلت برداشت کر رہی ہے۔ دو ارب سے زائد نفوس پر مشتمل انسانوں کا ایک وسیع و عریض خطہ ہے جہاں صاف پانی کی سپلائی ممکن نہیں ہے اور یونیسیف کی اسی رپورٹ کے مطابق اگر پانی کی قلت کا سامنا کرنے والی ریاستوں کی تعداد میں اسی تناسب سے اضافہ جاری رہا تو عین ممکن ہے کہ ۲۰۲۵ء تک دنیا کی آدھی آبادی پانی کی قلت اور صاف پانی کی فراہمی جیسے نامساعد حالات کی زد میں ہو۔ چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ آبادی کے اس بڑے حصے میں لگ بھگ اسی (۸۰) فیصد افراد کا تعلق ایشیائی اور افریقی ممالک سے ہوگا اور افسوس اس بات کا ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں آج بھی بحث کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ کیا ماحولیاتی تبدیلی ایک حقیقت ہے یا پھر متھ.....؟ اس لیے ترقی پذیر ممالک کے لیے نہ صرف اب یہ بحث قصہ پارینہ ہونی چاہیے بلکہ آج بحث کے موضوعات اپنی نوعیت میں حل طلب ہونے چاہیے۔

پاکستان کا شمار بھی انہی ترقی پذیر ممالک میں ہوتا ہے کہ جہاں سالانہ کم و بیش ۵۰۰ افراد سیلاب کی وجہ سے لقمہ اجل بن جاتے ہیں جبکہ ہر ۵ سے ۷ سال کے بعد ایک بڑے پیمانے پر آنے والے سیلاب کی وجہ سے ہزاروں لوگ اس کی نذر ہو جاتے ہیں جبکہ لاکھوں افراد کو اپنے گھروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بہتے ہوئے دیکھنا پڑتا ہے جبکہ باقی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ پاکستان میں خیبر پختونخواہ اور بلوچستان اس کی زد میں زیادہ آتے ہیں لیکن اس بار تو پنجاب بھی کافی متاثر ہوا ہے۔اسی طرح خشک سالی سے بھی کم و بیش یہی حالات ہوتے ہیں۔اور عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں سیلاب کو روکنا ہو یا پھر ماحولیاتی تبدیلی سے بچنا خشک سالی کو شکست دینی ہو یا پھر اس سے جنم لینے والی دوسری قباحتوں کا قلع قمع کرنا ہو تو اس کا ایک اور محض واحد حل بڑے ڈیموں کی تعمیر ہے۔گزشتہ ادوار میں اس سلسلے میں بہت سی مہمات چلائیں گئیں اور ڈیم کی تعمیر کے لئے بہت سی کاوشیں بھی کیں گئیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ایک بڑا ڈیم تعمیر کرنے سے پاکستان میں آبی مسائل سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے یا پھر حقیقت اس سے مختلف ہے؟ دراصل اگر زمینی حقائق کا جائزہ لیا جائے تو اس بات سے قطعاً انکاری نہیں ہوا جا سکتا کہ بڑے ڈیموں سے پاکستان کی قسمت بدلی جا سکتی ہے لیکن پاکستان جیسا ملک جو کہ پہلے ہی قرضوں کی لعنت میں جکڑا ہوا ہے اس کے لیے یقینی طور پر فوری نئے ڈیمز کی تعمیر جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگی۔ایسے میں ہمیں چاہیے کہ ہم لوگ اپنے میسر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک نئے نظام کی بنیاد رکھیں اور اس سے بھی پہلے ہمیں اپنے مسائل کا صحیح معنوں میں ادراک اور اس کی پلاننگ از سرِ نو کرنا ہوگی۔اگر وجوہات کی بات کریں تو ان میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

پاکستان میں چھوٹے بڑے دریاوں سمیت کل ۲۴ دریا ہیں جن میں سے ۵ اہم اور بڑے دریا پنجاب میں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہم ان

دریاؤں سے سالانہ صرف اور صرف زراعت کے لیے ۱۴۵ ملین ایکڑ فٹ پانی حاصل کرتے ہیں جو کہ ہماری زراعت کی کل ضرورت سے کم از کم ۵ گنا زیادہ ہے اسی طرح کچھ ۱۲ ملین ایکڑ فٹ کے قریب ہم لوگ گھروں کی ضرورت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ۸ ملین ایکڑ فٹ صنعتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق اگر ہم لوگ صرف زراعت کے پانی کی صحیح مینجمنٹ کر لیں تو ہم موجودہ پیداوار صرف اور صرف ۲۰ سے ۲۵ ملین ایکڑ فٹ پانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان اپنی معیشت کا جتنا بڑا حصہ زراعت سے حاصل کرتا ہے اس کے برعکس زراعتی انتظامیہ اتنی ہی بدانتظامی کا شکار ہے۔ پالیسیز صرف اور صرف بند کمروں میں اپنے عروج میں بنتی ہیں لیکن زمین پر ان کی عملدرآمدی کے لیے کوئی بھی بنیادی قابلِ ذکر منصوبہ نظر نہیں آتا اور اسی ناکام منصوبہ بندی کی وجہ سے پانی کے ضیاع کے ساتھ ساتھ ہماری فی ایکڑ آمدنی میں بھی کمی آتی ہے۔ جبکہ پانی چوری اور سیاسی اشرافیہ کی باقاعدہ نہری پانی پر قبضہ ایک الگ المیہ ہے جیسے جاگیردارانہ نظام نے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم لوگ فی الفور توجہ مبذول کرائیں اور ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھیں کہ جو کہ جنوبی ایشیا کے ماحولیاتی

تناظر کے ساتھ ساتھ معیشت دوست ہو اور زمینی حقائق سے متصل ہو۔ ڈریگیشن سسٹم اس کی ایک بہترین مثال ہو سکتی ہے جو کہ نہ صرف زائد پانی کو محفوظ کرنے کا موجب بنتی ہے بلکہ دوسری جانب ہم یہی محفوظ شدہ پانی خشک سالی کو ختم کرنے کے لیے زیرِ استعمال لا سکتے ہیں۔

بڑے پیمانے پر پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم ہی کسی ملک کا واحد حل ہوتے ہیں لیکن ہم نے ۷۰ کی دہائی میں امریکی امداد کے تحت بننے والے ڈیمز کے علاوہ کوئی بڑا قابلِ ذکر ڈیم تعمیر نہیں کیا۔ عالمی معیار کے مطابق کسی بھی ملک کو ہنگامی صورتحال کے پیشِ نظر ان حالات سے نمٹنے کے لیے اس ملک کے پاس ۱۲۰ دن کا پانی کا ذخیرہ ہونا لازمی ہے جبکہ ہمارے پاس یہ مقدار محض ۳۰ دنوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وسائل کا بہانہ بنا کر ہم لوگ آنکھیں بند کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔ ایک بڑے ڈیم کو بنانے کے لیے کم از کم ۱۰ سے ۱۵ سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے اور پھر اس کی جگہ پر بھی صوبوں کے آپسی اختلافات کا ڈر بھی اس وقت دنیا میں ڈیم ایکوویلینٹس کا بہترین نظام موجود ہے جس کے تحت بڑے ڈیم تعمیر کرنے کی بجائے چھوٹے پیمانے پر چھوٹے چھوٹے ڈیم بنائے جا سکتے ہیں اور پھر ان کے پانی کو مزید آگے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے بے شمار فوائد ہیں مثلاً سب سے پہلے یہ کہ ان پر ایک بڑے ڈیم پر خرچ ہونے والی خطیر رقم کے مقابلے میں

بہت کم خرچ آتا ہے دوسرا یہ کہ اس کے بننے کی وجہ سے آبادی کا تھوڑا بہت حصہ بھی متاثر نہیں ہوگا کیونکہ عام زبان میں یہ لینڈ فرینڈلی کہلاتے ہیں اور پھر ان سے ہی مزید چھوٹی چھوٹی نہریں نکال کر پاکستان کے ماندہ رقبے کو بھی کاشت کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس سے روزمرہ کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی تو بڑے ڈیمز ناگہانی آفات کی صورت میں بہتر اور زیادہ فعال ثابت ہوں گے۔

پاکستان میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مسئلہ ہو یا پھر صوبوں کے مابین پانی کی تقسیم کا فارمولا، یہ ہمیشہ ہماری سیاسی اشرافیہ کے گلے کی ہڈی کے مترادف ثابت ہوئے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں ہر سال آنے والے سیلاب کی زد میں ہزاروں افراد بے گھر ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ صوبوں کے مابین بھی مکمل طور پر ابھی حل طلب ہے اس سلسلے میں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر صوبوں کی سیاسی لیڈر شپ کو بیٹھ کر ان مسائل کے حل کی طرف توجہ دینا ہوگی اور اس ضمن میں وفاقی حکومت بطور ثالث کے اپنا بہترین کردار ادا کرسکتی ہے۔ کیونکہ اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد اب وفاقی حکومت کے ہاتھ ان تمام معاملات پر بندھ چکے ہیں۔ جبکہ صوبے زیادہ خودمختار

ہیں۔ لہٰذا یہ ذمہ داری اب وفاق سے زیادہ صوبوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عفریت سے نمٹنے کے لیے کن خطوط پر اپنی ذمہ داریوں کو استوار کرسکیں گے۔

زیرِ زمین پانی میں بھی اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو مکمل طور پر خوشحال کیا ہے۔ اور اس وقت گھریلو ضروریات میں سے ہمارا ۱۱۲ ایم اے ایف میں سے قریباً ۴۰ فیصد انحصار زیرِ زمین پانی پر ہے۔ اسلام آباد، راولپنڈی، کراچی اور لاہور جیسے بڑے شہر بھی اسی پانی کے تحت اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں، لیکن یہاں بھی بدانتظامی کے یہ حالات ہیں کہ واپڈا اور واسا میں سال ۲۰۱۹ء تک ایک بھی جیالوجسٹ موجود نہیں تھا جو کہ زیرِ زمین پانی کی مینجمنٹ کا ماہر تصور کیا جاتا ہے اور بعد میں میڈیا کی توجہ دلاؤ مہم کے تحت چند افسروں کا تقرر تو ہوا مگر وہ بھی اب پاکستان کے قدیم روایتی انتظامی ڈھانچے کی نذر ہو کر ٹھنڈے کمروں کی زینت بن چکے ہیں۔ لہٰذا اب یہ ضروری ہو چکا ہے کہ ہم لوگ پالیسیوں کو کمروں اور فائلوں کی قید سے آزاد کرا کر انہیں زمینی حقائق سے روشناس کرائیں اور اس خوف سے آزاد ہو کر کہ وہ کامیاب ہوں گی یا ناکام۔ ہاں البتہ وہ تجربہ ضرور دیں گی جو کہ یقینی طور پر ایک نئی جہت کا سبب لازمی ہوگا۔